© rasailojaraid.com

۱۴- ۳ : ۳

۱۵- ۲ : ۲۸۲

۱۶- ۳ : ۱۱

۱۷- ۳۳ : ۳۳

۱۸- صحیح بخاری شریف ، کتاب الزکواة، ج - ۱

۱۹- صحیح بخاری ، کتاب التفسیر سوره الاحزاب ، باب قوله لا تدخلوا بیوت النبی

۲۰- سنن ابی داؤد ، کتاب الطلاق ، باب فی المبتوته تخرج بالنهار ، ج - ۲

۲۱- صحیح البخاری ، کتاب النکاح ، باب الغیرة ، ج - ۳

۲۲- سنن ابی داؤد ، کتاب الجهاد ، باب فی المرأة والعبد یحذیان من الغنیمة ، ج - ۳

۲۳- مشکواة شریف ، کتاب البیوع ، باب الکسب و طلب الحلال ، ج - ۲

۲۴- مشکواة شریف، کتاب اللباس ، ج - ۲

۲۵- ۳۳ : ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

*ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک

فہم قرآن اور اس کے تقاضے

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن نے خود اپنے آسان ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر[1]

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فانما یسرلہ بلسانك لتبشر بہ المتقین[2]

لیکن ان دونوں آیات کے سیاق و سباق پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ آسان ہونے کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ ہر شخص اپنی علمی و فکری استعداد کے مطابق قرآن مجید کی کسی آیت کے جو معنے چاہے متعین کرے اور پھر دوسروں کو اس کی دعوت دینے لگے بلکہ آسان ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن مجید نے معرفت حق اور رشد و ہدایت کے لیے کائنات میں جن نشانیوں کا ذکر کیا ہے اُن سے نہ تو وجود باری تعالی پر استدلال کرنا مشکل ہے اور نہ ان سے نصیحت پکڑنے میں دقت ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں نے 'یسرنا القرآن' کے الفاظ سے یہ مطلب نکال لیا ہے کہ قرآن مجید ایک آسان کتاب ہے اور اسے سمجھنے کے لیے کسی علم کی ضرورت نہیں، حتی کہ عربی زبان تک کی واقفیت کے بغیر جو شخص چاہے اس کی تفسیر کر سکتا ہے اور حدیث و فقہ سے بے نیاز ہو کر اس کی آیات سے جو احکام چاہے مستنبط کر سکتا ہے۔ حالانکہ جس سیاق و سباق میں یہ الفاظ آئے، ہیں اس کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ارشاد کا مدعا لوگوں کو سمجھانا ہے کہ نصیحت کا ایک ذریعہ تو وہ عبرتناک عذاب ہیں جو سرکش قوموں پر نازل ہوئے اور دوسرا ذریعہ یہ قرآن ہے جو دلائل اور وعظ و تلقین سے تم کو سیدھا راستہ بتا رہا ہے۔

*پرووائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۱۔ القرآن ۔ ۵۴ : ۱۷

۲۔ القرآن ۔ ۱۹ : ۹۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس ذریعے کے مقابلے میں نصیحت کا یہ ذریعہ زیادہ آسان ہے۔[۱]

مولانا عبدالماجد لکھتے ہیں :

''قرآن مجید آسان تو ہے لیکن صرف عبرت و تذکیر اور ترغیب و ترہیب کے اعتبار سے ۔ استنباط مسائل بجائے خود ایک مستقل و دقیق فن ہے جو ملکۂ خصوصی اور مہارت تحقیقی کا محتاج ہے ۔''[۲]

محمود الوسی لکھتے ہیں :

قیل المعنی سہلنا القرآن اذ یسرنا القرآن ہونا قرأته

مولانا سعید احمد لکھتے ہیں :

''بہرحال قرآن مجید کے سہل ہونے کے معنے یہی ہیں کہ اس کی تعلیمات آسان ہیں ۔ وہ جن حقائق کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتا ہے وہ فلسفہ کے مسائل و مباحث کی طرح پیچیدہ نہیں بلکہ ہر ایک پر واضح ہیں ، پھر آن پر عمل کرنا بھی دشوار نہیں کیونکہ قرآن کی راہ اصل فطرت کی راہ ہے اور اس کی روش وہی ہے جس کی طرف ہر انسان کی فطرت سلیمہ دعوت دیتی ہے ، مثلاً نماز پڑھو ، روزہ رکھو ، حج کرو ، والدین کے ساتھ احسان و کرم کا معاملہ کرو . . . ۔ یہ وہ احکام ہیں جن کو ایک عربی دان جس طرح سمجھ سکتا ہے ایک غیر عربی دان بھی سمجھ سکتا ہے۔''[۴]

جہاں تک فہم قرآن کا تعلق ہے یہ اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کوئی شخص قرآن مجید کی کسی آیت کو پڑھ کر اس کے حقیقی معنوں کا تعین کر سکے ۔ علماء نے اس کے لیے خاص شرائط و آداب مقرر کیے ہیں جب تک وہ نہ پائے جائیں کوئی شخص فہم قرآن کا دعویٰ نہیں کر سکتا ۔ خود قرآن مجید نے جہاں اپنے آسان ہونے کا اعلان کیا ہے وہاں یہ بھی فرمایا کہ قرآن مجید میں ایسی آیات موجود ہیں جن کی تاویل اللہ کے سوا صرف علمائے راسخین ہی جان سکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے :

۱۔ ابوالاعلی مودودی ، تفہیم القرآن ، جلد پنجم ، ص ۲۳۴

۲۔ عبدالماجد ، تفسیر ماجدی ، ص ۱۰۵۸

۳۔ محمود الوسی ، روح المعانی

۴۔ سعید احمد ، فہم قرآن ، ص ۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هوالذی انزل علیک الکتب منه آیات محکمات هن ام الکتاب وآخر متشابهات۔[1]

اس کے بعد فرمایا :

وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون آمنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوالالباب۔[2]

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فہم قرآن میں سب لوگ یکساں صلاحیت کے مالک نہیں۔ اس بنا پر ان میں باہمی فرق مراتب ہوگا۔ خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن مجید سنتے تھے، صاحب زبان بھی تھے لیکن فہم قرآن میں یکساں حیثیت کے مالک نہ تھے ۔ اس کی تائید مشہور تابعی حضرت مسروق رضی اللہ تعالی عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے جو ابن سعد نے نقل کیا ہے :

"میں نے صحابہ کرام سے فیض صحبت اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ان کا علم چھ بزرگوں کی طرف لوٹتا ہے ۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ، حضرت ابوالدرداء اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ۔"[3]

حضرت عبداللہ بن عباس جن کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:"نعم ترجمان القرآن انت"؛ آپ ؐ نے ان کے متعلق دعا بھی فرمائی تھی: "اللهم فقهه فی الدین"؛ فہم قرآن میں سب پر فوقیت رکھتے تھے ۔ صحابہ کرام فہم قرآن کے سلسلے میں ان کی طرف رجوع کرتے۔ سیوطی لکھتے ہیں:"ایک مرتبہ قرآن مجید کی سورہ عبس میں جو لفظ "ابا" آیا ہے، اس کے معنی میں چند صحابہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "چلو ابن عباس کے پاس چلیں، وہ ہم سب سے زیادہ لغت عرب کو جاننے والے ہیں" ۔[4]

عربی زبان و ادب کے امام اور اکابر صحابہ قرآن مجید کے معانی بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے

۱۔ القرآن، ۳ : ۷

۲۔ القرآن، ۳ : ۷

۳۔ ابن سعد، طبقات، ج ۲: ۱۰۴

۴۔ السیوطی، اتقان فی علوم القرآن، ج ۱: ۱۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش نظر رہتا تھا : ’’من تکلم فی القران بغیر علمه فلیتبوا مقعده من النار‘‘۔ حضرت عبداللہ بن عباس اتنے علم و فضل کے باوجود قرآن مجید کے معانی کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے ۔ سیوطی نے ان کے متعلق ایک روایت لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں : ’’میں ’فاطرالسماوات‘ کے معنے نہیں جانتا تھا۔ایک دفعہ اتفاق سے دو بدو ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہوئے میرے پاس آئے۔ ان میں سے ایک بولا: ’’انا فطرتها (میں نے یہ کنواں سب سے پہلے کھودا ہے) تو ’فاطر‘ کے معنے میری سمجھ میں آ گئے)‘‘ ۔[۱] اصمعی جو لغت و ادب کا امام تھا ایک لفظ کا مفہوم جاننے کے لیے مدتوں بدوؤں میں مقیم رہا، اس کا یہ حال تھا کہ جب قرآن مجید کے کسی لفظ کے معنی اس سے دریافت کیے جاتے تو کہتا: ’’عرب اس کے یہ معنے بیان کرتے ہیں، میں نہیں جانتا اس سے کیا مراد ہے‘‘ ۔[۱]

مولانا سعید احمد فہم قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں : ’’فہم قرآن سے غرض یہ ہے کہ انسان مجتہدانہ طور پر احکام کا استنباط کر سکے ، قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھ کر اس کے واقعی اور حقیقی مفہوم کو متعین کر سکے، اس کے معیار بلاغت کو دریافت کر کے یہ سمجھ سکے کہ کلام کا مقتضی حال کیا ہے ، کس چیز پر زیادہ زور دینا منظور ہے اور ان کا مدلول مطابق اور مدلول التزامی کیا ہے اور یہاں کیا مراد ہے‘‘ ۔[۲]

مولانا مودودی فہم القرآن کے متعلق تفہیم القرآن کے مقدمے میں لکھتے ہیں :

’’ہر ایک کتاب کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والے کو اس کے موضوع، اس کے مقصد و مدعا اور اس کے مرکزی مضمون کا علم ہو، اس کے انداز بیان سے واقف ہو ، اس کی اصطلاحی زبان اور اس کے مخصوص طرز تعبیر سے شناسائی رکھتا ہو اور اس کے بیانات اپنی ظاہری سہارت کے پیچھے جن احوال و معاملات سے تعلق رکھتے ہوں وہ بھی نظر کے سامنے رہیں ۔ عام طور پر جو کتابیں ہم پڑھتے ہیں ان میں یہ چیزیں باآسانی مل جاتی ہیں، اس لیے ان کے مضامین کی تہ تک پہنچنے میں ہمیں کوئی بڑی زحمت نہیں ہوتی، مگر قرآن میں یہ اس طرح نہیں ملتیں جس طرح ہم دوسری

۱۔ السیوطی ، اتقان فی علوم القران، ج ۲ ص ۱۰۸

۲۔ سعید احمد ، فہم قرآن۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتابوں میں انہیں پانے کے عادی ہیں ، اس لیے ایک کتاب خوان کی سی ذہنیت لے کر جب ہم میں سے کوئی شخص قرآن کا مطالعہ شروع کرتا ہے تو اسے اس کتاب کے موضوع ، مدعا اور مرکزی مضمون کا سراغ نہیں ملتا ۔ ۔ ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ متفرق آیات میں حکمت کے جو موتی بکھرے ہوئے ہیں، ان سے کم و بیش مستفید ہونے کے باوجود آدمی کلام اللہ کی اصلی روح تک پہنچنے سے محروم رہ جاتا ہے۔"[1]

اس سے واضح ہوا کہ فہم قرآن کا مسئلہ آسان نہیں کہ ہر شخص اس کا مدعی بن بیٹھے ۔ علماء نے اس کے لیے متعدد علوم کا جاننا ضروری قرار دیا ہے اور اس کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی روح سے شناسا ہو۔ بقول مولانا مودودی قرآن مجید محض نظریات و خیالات کی کتاب نہیں کہ آپ آرام کرسی پر بیٹھ کر اسے پڑھیں اور اس کی ساری باتیں سمجھ آ جائیں ۔ ۔ ۔ قرآن مجید کے احکام، اس کی اخلاقی تعلیمات، اس کی معاشی اور تمدنی ہدایات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں اس کے بنائے ہوئے اصول و قوانین آدمی کی سمجھ میں اس وقت تک آ ہی نہیں سکتے جب تک کہ وہ عملاً ان کو برت کر نہ دیکھے" ۔[2]

مسلمانوں نے فہم قرآن کے سلسلے میں جو شرائط مرتب کی ہیں اور جو علوم و فنون دریافت کیے ہیں اور ہر ہر فن میں جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان کی فہرست بہت طویل ہے، اس مختصر مقالے میں ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ مختصر طور پر چند ایک امور زیر بحث لائے جاتے ہیں ۔

قرآن مجید کی زبان عربی ہے اور عربی بھی وہ جو فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجزے کے درجے پر فائز ہے ۔ جن و بشر میں کسی کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ اس کے مثل ایک آیت بھی پیش کر سکے ۔ قرآن مجید نے کئی مقامات پر اپنی اس فضیلت کو خود بیان فرمایا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے :

بلسان عربی مبین :[3]

دوسرے مقام پر فرمایا :

وھذا کتاب مصدق لساناً عربیا لینذر الذین ظلموا[4]

۱۔ ابوالاعلی مودودی : مقدمہ تفہیم القرآن

۲۔ ایضاً

۳۔ القرآن ۲۶ : ۱۹۵

۴۔ القرآن ۴۶ : ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب اس درجے پر فائز کتاب کی خوبیوں اور لطافتوں کو اگر کوئی سمجھنا چاہے تو وہ ترجموں اور تفسیروں کے ذریعے نہیں سمجھ سکتا بلکہ ضروری ہے کہ اس کے اندر اس زبان کا اعلیٰ ذوق پیدا ہو جس میں وہ نازل کی گئی ہے۔ کسی زبان کا ذوق پیدا کرنا آسان بات نہیں اس کے لیے فطری رجحان طبیعت اور لطافت ذوق کے ساتھ ساتھ اس زبان پر گہری نظر ناگزیر ہے جو برسوں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ امام شافعی کا ارشاد ہے: ''جب تک کسی شخص میں عربی عبارت کو عربی ہی کے انداز میں سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو گی وہ قرآن مجید کے بلیغ اسلوب اور اس کے مخصوص انداز بیان سے واقف نہیں ہو سکتا''۔ عربی کی چند کتابیں پڑھ لینا اس کے لیے کافی نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے رہن سہن، تمدن اور ان کے رسوم و بدعات سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔ قرآن مجید میں بعض الفاظ جو بظاہر مترادف معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کے مفہوم میں جو لطیف فرق پایا جاتا ہے اس کی معرفت بدوؤں میں قیام کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اصمعی کے متعلق آتا ہے کہ وہ اس کی معرفت کے لیے برسوں صحراؤں کی خاک چھانتا پھرا۔ لیکن آج یہ حالت ہے کہ محض ترجموں اور تفسیروں کی بنا پر لوگ قرآن فہمی کے مدعی بن بیٹھے ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم کے متعلق منقول ہے کہ ایک سنی اور شیعہ میں جھگڑا ہوا اور وہ دونوں فیصلے کے لیے علامہ مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دریافت کیا: ''سب سے زیادہ مظلوم کون ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''قرآن مجید جس کی تفسیر ہر ان پڑھ لکھ رہا ہے۔'' فہم قرآن کے بارے میں سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم معمولی امور میں صلاح و مشورہ کے لیے تو صرف اس شخص کا رخ کرتے ہیں جو اس فن میں تخصص کا درجہ رکھتا ہو لیکن قرآن مجید کے ترجمہ و تشریح کے بارے میں ہم ہر شخص کی بات ماننے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں: ''ببین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا''۔

عربیت میں صلاحیت کے بعد قرآن مجید کے رسم الخط سے آگاہی ضروری ہے ظہور اسلام کے وقت کتابت کا رواج تو ہو چکا تھا لیکن یہ فن زیادہ اشاعت پذیر نہ ہوا تھا اور بہت کم لوگ اس سے آشنا تھے۔ کتابت کا انداز بھی مختلف تھا۔ قرآن مجید میں اس وقت رائج انداز کو ہی اختیار کیا گیا۔ یہ خط اس زمانے میں عرب سے باہر کئی دوسرے ملکوں میں بھی متعارف تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں وغیرہ کو جو تبلیغی خطوط بھیجے وہ سب اسی رسم الخط میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی[١]۔ دنیا کی ہر زبان میں عمل ارتقا جاری ہے جس سے رسم الخط بھی متأثر ہوتا ہے۔ عربی رسم الخط بھی ارتقاء کے اس عمل سے گزرا لیکن قرآن مجید کے انداز کتابت میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی اور یہ رسم الخط آج بھی وہی ہے جو عہد رسالت اور عہد صحابہ میں تھا تا کہ قرآن مجید ادنیٰ صورت میں بھی اندیشہ تحریف سے محفوظ رہے۔ خدمت قرآن مجید کے سلسلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ بہت بڑا ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو ایک رسم الخط اور ایک قرات پر جمع کر دیا۔ آج مسلمان یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید کا ایک ایک نقطہ اور ایک ایک شوشہ تک محفوظ ہے۔

علماء کے درمیان رسم الخط کے بارے میں یہ امر متنازع ہے کہ یہ توقیفی (من جانب اللہ) ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق پہلا مسلک یہ ہے کہ توقیفی ہے اور اس کی خلاف ورزی کسی صورت میں بھی درست نہیں۔ نیز اس رسم الخط پر امت کا اجتماع ہو چکا ہے[٢]۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ قرآن مجید کا رسم الخط اصطلاحی ہے اور اس کی خلاف ورزی میں کوئی حرج نہیں[٣]۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ قرآن مجید کی کتابت عصر حاضر کے رسم الخط میں بالکل جائز اور درست ہے اور عثمانی رسم الخط میں قرآن مجید کی کتابت پر اصرار درست نہیں۔

یہ موضوع بہت طویل اور بہت اہم ہے۔ یہ مختصر مقالہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ البتہ راقم کی ذاتی رائے یہ ہے کہ قرآن مجید کا رسم الخط توقیفی ہو یا نہ ہو عثمانی رسم الخط میں تبدیلی کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ زرکشی لکھتے ہیں:

"قرآنی رسم الخط کے بارے میں یہ بات قطعی اور حتمی ہے کہ مصحف عثمانی کا تتبع کیا جائے۔ اس قدیم رسم الخط میں کسی قسم کی تبدیلی اور کسی قسم کا تغیر بھی جائز نہیں خواہ نیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔"[٤]

اس وقت دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں قرآن مجید ایک ہی رسم الخط میں شائع ہوتا ہے۔ اگر اس موقف پر ذرا سی بھی نرمی اختیار کی گئی تو اختلافات کا ایک دروازہ کھل جائے گا جس سے کئی قسم کے فتنے جنم لے سکتے ہیں۔

عملاً مسلمانوں نے اس فن کو عہد نبوت سے اس وقت تک باقی رکھا ہے۔ تدوین فن کے لحاظ سے اس سلسلے کی سب سے پہلی کتاب ابو عمرو عثمان بن سعد الدانی کی تصنیف "المقنع فی رسم المصحف" ہے[٥] جس میں اس نے مصاحف بلاد

١- جرجی زیدان: تاریخ التمدن اسلامی ٣: ٥٥

٢- الزرکشی، برہان: ٣٧٧

٣- ابن خلدون: مقدمہ

٤- الزرکشی، برہان، ج ١، ٣٧٦

٥- مولانا سلیمان: علوم القرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامیہ کے مختلف اور متفق خطوط کا ذکر کیا ہے - مولانا سلیمان نے ''الاقتصاد فی رسم المصحف'' کو اس سلسلے کی پہلی تصنیف قرار دیا ہے - الدانی نے المقنع میں قرآن مجید میں اعراب اور نقطے لگانے کی کیفیت بھی بیان کی ہے - یہ تصنیف علماء میں بہت مقبول رہی - اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں :
''خالد بن ابی الهیاج پہلا شخص ہے جس نے صدر اسلام میں قرآن مجید کی کتابت کی اور اپنے حسن فن میں شہرت پائی - اس خوبی کی بنا پر اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے مصاحف اور اشعار و واقعات معرض تحریر میں لانے کے لیے اس کو اپنے ہاں مقرر کر لیا - یہی وہ شخص ہے جس نے مسجد نبوی میں قبلے کی سمت سورہ ''والشمس وضحها'' سے آخر قرآن تک آب زر سے لکھا - حضرت عمر بن عبدالعزیز کی فرمائش پر اس نے ایک قرآن مجید تحریر کیا لیکن اس نے اس کی قیمت اس قدر طلب کی کہ آپ نے اسے واپس کر دیا[١] -''

ابو یحیی مالک بن دینار (متوفی ١٣١ھ) بھی اس دور کے بہترین کاتبین قرآن مجید میں سے تھے اور اجرت پر قرآن مجید کی کتابت کرکے گزر اوقات کرتے -

وقف اور ابتدا کو جاننا بھی فہم قرآن کے لیے ضروری ہے - انسان کسی حالت میں بھی سانس کی آمد و رفت کو روک نہیں سکتا، اس لیے ضروری ہے کہ کسی طویل عبارت کو پڑھتے وقت سانس کئی کئی بار ٹوٹ جائے - ان سکنات تنفس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بے موقع نہ ہوں ورنہ عبارت کا سلسلۂ اتصال ٹوٹ جائے گا اور اکثر عبارتوں کا سمجھنا مشکل ہوگا - علماء نے اس غرض کے لیے علم الوقف معلوم والابتدا وضع کیا اور قرآن مجید میں جابجا وقف کے نشانات لگائے گئے جن سے یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت کہاں کیا کرنا چاہیے اور کہاں سانس توڑ کر دوسری آیت سے تلاوت کی ابتدا کرنی چاہیے - یہ فن اگرچہ علم التجوید اور علم القراۃ کا ایک جزو ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر قراء نے اس کو مستقل فن قرار دیا ہے- آج ہر زبان و ادب میں اس فن کی اہمیت کو تسلیم کیا جا رہا ہے -

قرآن مجید جب تک جزیرہ نمائے عرب میں محدود تھا اس کے مفردات کو سمجھنا کوئی مشکل نہ تھا لیکن عجمیوں میں اشاعت قرآن مجید کے لیے ضروری تھا کہ الفاظ و لغات قرآن کی تشریح کی جائے بعض علمائے ادب نے تمام الفاظ کا احاطہ کیا اور ان کے وہ معنے لکھے جو نزول قرآن کے وقت مستعمل تھے تاکہ جو شخص فہم قرآن کی سعادت حاصل کرنا چاہے ان سے وہی معنے مراد لے جو عہد نبوت میں اس سے لیے جاتے تھے - اس سلسلے میں امام راغب اصفہانی کی کتاب مفردات قرآن کو بہت اہمیت حاصل ہے -

قرآن مجید کے قلیل الاستعمال اور نادر الفاظ کی شرح و توضیح کے لیے ''علم

١- اردو دائرہ معارف علوم اسلامیہ جلد ١٦/١

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غریب القرآن'' معرض وجود میں آیا - فہم قرآن کے لیے علماء نے اسے بہت اہم قرار دیا ہے - زرکشی کہتے ہیں کہ مفسر کے لیے اس علم سے آگاہ ہونا ضروری ہے ورنہ اسے تفسیر کی جسارت نہیں کرنی چاہیے - یحییٰ ابن فضل کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو یہ کہتے سنا کہ میرے پاس اگر ایسا شخص لایا جائے جو لغت عرب سے بے بہرہ ہونے کے باوجود قرآن مجید کی تفسیر کرتا ہو تو میں اسے سزا دوں گا -[1]

مفردات قرآن کی شرح و توضیح کے لیے علماء اشعار عرب سے احتجاج کرتے ہیں - ابن عباس کے متعلق منقول ہے کہ جب قرآن مجید کا کوئی لفظ عربوں کی سمجھ میں نہ آتا تو وہ اپنے اشعار کی طرف رجوع کرتے کیونکہ اس سلسلے میں معمولی لغت دانی سے کام نہیں چل سکتا ، اس لیے کہ بعض اوقات ایک لفظ کثیرالمعانی ہوتا ہے اور اس شخص کو اس کے صرف ایک ہی معنے معلوم ہوتے ہیں جب کہ مراد و مقصود دوسرے معنے ہیں -

غریب القرآن کے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ابان ابن تغلب کوفی (متوفی ۱۴۱ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کے بعد اگرچہ متعدد اہل لغت نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں لیکن ابو عبدالرحمن عبداللہ بن یحییٰ (متوفی ۲۶۰ھ) کی کتاب نہایت جامع ہے۔ اس میں اس نے قرآن مجید کے تمام غریب الفاظ کو جمع کر دیا ہے۔ اس موضوع پر ابن قتیبہ الدینوری (متوفی : ۲۷۰) کی غریب القرآن بھی عمدہ کتابوں میں شمار کی جاتی ہے جو احمد صقر کی تعلیقات کے ساتھ قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے -

اس سلسلے میں مسلمانوں نے ایک اور فن پر بھی قلم اٹھایا ہے - قرآن مجید میں ایک لفظ متعدد مقامات میں مختلف معنے رکھتا ہے - اہل بلاغت کے ہاں اسے مشترک کہا جاتا ہے۔ لیکن علوم قرآن میں ایسے الفاظ کو نظائر کہتے ہیں - بعض الفاظ ایسے ہیں جو متعدد مقامات پر بعینہ استعمال ہوئے ہیں اور ہر جگہ ان سے ایک ہی معنے مراد ہیں۔ علمائے قرآن نے انہیں وجوہ کا نام دیا ہے - فہم قرآن کے لیے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس بنا پر علماء نے وجوہ و نظائر کے متعلق مستقل تصانیف لکھی ہیں۔ اس سلسلے میں مقاتل بن سلیمان (المتوفی ۱۵۰ھ) کی تالیف ''الوجوہ والنظائر فی القرآن'' پہلی تصنیف شمار ہوتی ہے۔

مفردات کا علم حاصل ہو جانے کے بعد عربوں کے تمام لہجوں اور آوازوں سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر بعض مقامات پر غلطی ہو سکتی ہے - مولانا سعید احمد اس کی مثال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سورہ نمل میں حضرت سلیمان[ع] کے قصے میں آتا ہے:''اولا اذبحنہ'' اب جو شخص قراء عرب کی قراءتوں سے واقف نہیں وہ اس فقرہ کا ترجمہ نفی میں کرے گا۔ برخلاف اس کے لہجات عرب سے باخبر شخص

۱- سیوطی : اتقان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ جان لے گا کہ یہاں ''لا'' دراصل لائے نافیہ نہیں بلکہ لام کے فتحہ کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے 'لا' کی صورت ہو گئی ہے'۔

شاہ ولی اللہ مرحوم لکھتے ہیں کہ سبب نزول کو جانے بغیر فہم قرآن میسر نہیں آ سکتا۔ اسباب نزول سے مراد یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ فلاں آیت کب اور کس واقعے کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ حدوث واقعہ کے بعد نازل ہونے والی کسی آیت کا مفہوم اسی صورت میں سمجھا جا سکتا ہے کہ پہلے وہ واقعہ معلوم ہو۔ امام شاطبی لکھتے ہیں کہ ''سبب نزول کے معلوم ہو جانے سے قرآن فہمی میں ہر اشکال کا ازالہ ہو جاتا ہے، اس لیے قرآن مجید کے مطالب و معانی جاننے کے لیے یہ علم ازبس ناگزیر ہے'۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ کسی آیت کو سمجھنے کے لیے سبب نزول کی بہت اہمیت ہے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے سبب نزول معلوم نہ ہونے کے باعث بعض آیات کے معنے جاننے میں غلطی کی ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان بن مطعون اور حضرت عمرو بن معدی کرب شراب کو مباح کہا کرتے تھے اور دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کیا کرتے تھے۔

''لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا''

لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ آیت تو اُن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے حرمت شراب کے نازل ہونے پر کہا تھا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اس حکم کے نازل ہونے سے قبل شراب کو نجس ہونے کے باوجود پیا کرتے تھے اور اب وہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں یا طبعی موت مر چکے ہیں تو وہ اپنی بات سے تائب ہو گئے۔

اس علم میں سب سے پہلے حضرت عکرمہ (المتوفی ۱۰۷ھ) نے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد تھے، نے ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے وہ تمام معلومات جمع کر دیں جو انہوں نے اپنے استاد سے سنی تھیں۔ حاجی خلیفہ نے امام بخاری کے استاد حافظ ابوالحسن (المتوفی ۲۳۴ھ) کی کتاب کو اس فن کی پہلی کتاب شمار کیا ہے۔

راقم کے نزدیک فہم قرآن کے سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ حدیث نبویؐ کے بغیر قرآن مجید کو سمجھنے کا دعویٰ باطل اور گمراہی ہے۔ اگر حدیث سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے تو قرآن مجید مبہم اوامر و نواہی اور قصص کا ایک مجموعہ بن کو رہ جائے گا اور اسلام کے مکمل و مفصل دستور اساسی ہونے کی حیثیت بڑی حد تک باطل ہو جائے گی۔

۱۔ سیوطی۔ اتقان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا مودودی نے اس سلسلے میں ایک بصیرت افروز بات کہی ہے ۔ فرماتے ہیں: ''فہم قرآن کی ان ساری تدبیروں کے باوجود آدمی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا ہونے نہیں پاتا جب تک عملاً وہ کام نہ کرے جس کے لیے قرآن آیا ہے ۔ قرآن مجید ایک دعوت و تحریک کی کتاب ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاع کفر و دین اور معرکہ اسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اس کشمکش کی کسی منزل سے گزرنے کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہو اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ کر اس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں ۔

انسانیت کی فوز و فلاح کے لیے جب کوئی نبی یا پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو ایک جانب تو وحی الٰہی کے ذریعے انسان کو بہترین دستور اور نظام حیات عطا کرتا ہے تو دوسری جانب اللہ تعالی کی مصلحت کے مطابق معجزات کا مظاہرہ کرکے اپنی صداقت اور من جانب اللہ مبعوث ہونے کا ثبوت دیتا ہے ۔ پھر اللہ تعالی کی یہ بھی حکمت ہے کہ وہ ہر پیغمبر کو اسی قسم کے معجزات عطا کرتا ہے جو اس زمانے کی اعلی علمی ترقیوں یا قومی و ملکی خصوصیتوں کے حسب حال ہوں ۔ حضرت موسی علیہ السلام کو یدبیضا اور عصا جیسے معجزات عطا فرمائے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب (Medical Science) میں ان لوگوں کو بڑا زعم تھا ، اللہ تعالی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس علم میں معجزات عطا فرمائے ۔ وہ مردہ کو زندہ ، پیدائشی نابینا کو بینا اور جذامی کو تندرست کر دیتے تھے تاکہ وہ اعتراف کر لیں کہ یہ اکتسابی علوم کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ خدا تعالی کی جانب سے رونما ہوتے ہیں ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ فصاحت و بلاغت کا زمانہ تھا ۔ اللہ تعالی نے آپ کو قرآن مجید کی صورت میں فصاحت و بلاغت کا وہ معجزہ عطا فرمایا جس نے جن و بشر کو مقابلے کا چیلنج دے دیا اور انہیں اس فن میں عاجز و درماندہ کر دیا ۔

''قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یأتوا بمثل ھذاالقرآن لا یأتون بمثلہ ولوکان بعضھم لبعض ظھیرا۔''[1]

قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے اور یہ قیامت تک ہر دور میں اپنے معجزہ ہونے کا اعلان کرتا رہے گا اور اپنی حقانیت کے ثبوت مہیا کرتا رہے گا کیونکہ اس کے بعد انسانیت کی ہدایت کے لیے اور کوئی کتاب نازل نہیں ہو گی ۔

موجودہ دور سائنسی انکشافات اور علمی تحقیقات کا دور ہے ۔ انسان نے سائنسی میدان میں بہت ترقی کی ہے لیکن ابھی وہ صرف زمین کی حدود سے باہر نکلا ہے ، آسمانوں کی اقطار سے آگے جانا باقی ہے ، جس کی طرف قرآن مجید اشارہ کر چکا ہے ۔

۱- القرآن : ۱۷ : ۸۸

© rasailojaraid.com